اقبال کا نظام فکر

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

جب ہم اقبال کے نظام فکر کی بات کرتے ہیں تو اگر چہ یہ بالکل ایک واضح بات ہے تاہم اس کی مزید توضیح کرنا چاہیں۔ تو ہم یوں کہیں گے کہ اقبال ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ان کی فکر اسلامی ہے اور ان کے نظام فکر سے مراد نظام اسلامی ہے اور اقبال کے نزدیک خودی، عشق، فقر، غیرت، درویشی، یقین محکم، عمل پیہم، اخوت، محبت اور اتحاد وغیرہ وہ اجزا ہیں جن کی ترکیب سے یہ نظام تشکیل پاتا ہے۔مگر اس وضاحت کے باوجود میرے خیال میں اقبال کے نظام فکر کے اجزا کو متعین اور واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ دور حاضر میں اس وضاحت کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ:

اوّل: موجود زمانے میں ہر چیز کو خواہ وہ کوئی عظیم شخصیت ہو یا نظام فکر وفلسفہ، متنازع فیہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

دوم: دور حاضر کے تشکیکی رجحانات کے پیش نظر ہر واضح اور شفاف چیز بھی دھندلا گئی ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم جانیں کہ اقبال کے نزدیک مسلمان ہونے کا کیا مفہوم ہے؟ مسلمانوں کی سر بلندی اور عروج سے ان کی مراد کیا ہے؟ اسلام کے غلبہ واستیلا کا ان کے ذہن میں کیا تصور تھا اور اسلام کا جاندار فلسفہ، اقبال کے نزدیک کیا ہے؟

لیکن اہم ترین بات جو ہمیں اقبال کے نظام فکر کے اجزا کو واضح کرنے کی طرف مائل کرتی ہے یہ ہے کہ اقبال کے اکثر مداحوں کے نزدیک ان کی نمایاں اور اولین حیثیت شاعر کی ہے۔ بلاشبہ وہ ایک عظیم شاعر تھے اور اپنی شاعرانہ عظمت کے اعتبار سے وہ یقیناً اردو شاعری کی آبرو ہیں۔مگر شاعری، کیسی ہی عظیم کیوں نہ ہو، بہر حال وہ ایک وقتی تاثر کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ یہ تاثر عارضی ہوتا ہے۔یہ تاثر یا خیال دائمی قدر و قیمت کا حامل بھی ہو سکتا ہے لیکن بہر حال وہ ایسے وقت کی تخلیق ہوتا ہے جس کی حیثیت گزرتے ہوئے لمحات PASSING PHASE کی ہوتی ہے۔ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک وقت میں کہے ہوئے اشعار

شاعر کے ایک موڈ کا مظہر ہو سکتے ہیں تو کسی دوسرے وقت کی تخلیق کسی دوسرے، موڈ کو ظاہر کر سکتی ہے۔ شاید اسی لیے ہم شعرا کے ہاں فکر و خیال کی یک جہتی اور ہم آہنگی نہ ہونے کا شکوہ کرتے ہیں۔ ہمیں شاعر اپنی فکر، اپنے خیال اپنے لہجے اور اپنے موڈ کے لحاظ سے کئی ٹکڑوں اور حصوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اردو شاعری کی سب سے بڑی صنف غزل اس نقطہ نظر کی تائید کرتی ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی ہم کسی شاعر کے ہاں ''تضاد'' کا بھی شکوہ کرتے ہیں جیسا کہ اقبال جیسے عظیم فلسفی شاعر کے ہاں بھی تضاد کا سوال اٹھایا جاتا ہے۔ مختصراً یہ شاعر ایک مفکر کی طرح اپنی فکر کی کڑیوں کو مربوط نہیں کرتا اور ایک فلسفی کی طرح اپنے فلسفے کے مختلف اجزا کو ترتیب نہیں دیتا یوں ہمیں شاعر کے ہاں بے نظمی، بے ترتیبی اور غیر ہمواری کا احساس ہوتا ہے اور اسی لیے کسی شاعر کی محض شاعری پڑھ کر ہم اس کے نظام فکر اور اس کے اجزا کو متعین کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اس پس منظر میں اقبال کی شاعری کی تمام تر عظمت اور مسلمہ اہمیت کے باوجود، ان کے نظام فکر کے اجزا کو مرتب شکل میں پیش کرنے کے لیے اقبال کے خطوط، تقاریر، ملفوظات اور بیانات کا سہارا لینا ضروری ہے۔ یہ ساری چیزیں چونکہ نثر میں ہیں اس لیے ان میں کوئی ابہام نہیں اور یہ نسبتاً زیادہ واضح اور متعین ہیں۔ اقبال جو کچھ چاہتے تھے، اس مضمون میں اقبالیات کے نثری ذخیرے کی مدد سے اس کا ایک مجمل ساخاکہ بنایا گیا ہے، جسے بوقتِ ضرورت اور بشرطِ مہلت ایک مفصّل نقشے کی صورت میں پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ مضمون اس عنوان کی تشریح ہے کہ ''اقبال کیا چاہتے تھے؟''

اقبال کے نزدیک اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے جس کے وجود کے لیے کسی فلسفیانہ استدلال کی حاجت نہیں کیونکہ جب پیغمبرؐ نے فرمایا کہ خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو خدا کی ہستی یقیناً موجود ہے اور پیغمبرؐ کے بارے میں دشمن بھی کہتے تھے کہ انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا (۱)۔۔۔ اقبال کے خیال میں بنی نوعِ انسان کی نجات صرف اسلام کے ذریعے ہی ممکن ہے (۲)۔۔۔ اور اسلام ہی اس کے مستقبل کا ضامن ہو سکتا ہے۔ دورِ حاضر کے دو بڑے نظام یعنی مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشوزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں، اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے (۳)۔۔۔ اسلام کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں جس پر کاربند ہو کر بنی نوعِ انسان لسانی، نسلی، اور ہر طرح کے تعصّبات ختم کر سکے۔ اسلام کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ نوعِ انسانی ایک گھرانا بن جائے (۴)۔۔۔ اقبالؔ کے نزدیک مسلم ممالک میں شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ نہ ہونے کے سبب یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکا۔ شریعتِ اسلامیہ اس لئے نافذ نہ ہو سکی کہ حقیقی معنوں میں ایک آزاد

اسلامی ریاست اب تک وجود میں نہیں آسکی (۵)۔۔۔پس اقبال کے نزدیک ایک مسلمان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ احیائے اسلام اور حفاظتِ اسلام کی پوری قوت سے کوشش کرے (۶)۔۔۔اس کا کوئی فعل ایسا نہ ہونا چاہیے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو (۷)۔۔۔

اقبال اسلام کو ایک جامع اور مکمل ضابطہء حیات سمجھتے تھے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں مسلمان کی پوری پوری رہنمائی کی ہے۔ان کے نزدیک اسلام کا تصورِ سیاست وحکومت دوسرے تمام نظریات سے مختلف ہے جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سیاسیات کی جڑ انسان کی روحانی زندگی میں ہوتی ہے (۸)۔۔۔کیونکہ ذاتِ انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے۔ وہ مادے اور روح کی کسی ناقابلِ اتحاد ثنویّت کے قائل نہیں (۹)۔۔۔دین نہ قومی ہے، نہ نسلی، نہ انفرادی اور نجی بلکہ خالصتاً انسانی ہے (۱۰)۔۔۔اسلام بحیثیت مذہب کے دین وسیاست کا جامع ہے یہاں تک کہ ایک پہلو کو دوسرے پہلو سے جُدا کرنا حقائق اسلامیہ کا خون کرنا ہے (۱۱)۔۔۔اقبال کے خیال میں اہل یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے مذہب وحکومت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا، اس طرح ان کی تہذیب روحِ اخلاق سے محروم ہوگئی اور اس کا رُخ دہریانہ مادیت کی طرف پھر گیا (۱۲)۔۔۔اسلامی نظامِ حکومت نہ جمہوریت ہے نہ ملوکیت، نہ ارسٹوکریسی اور نہ تھیاکریسی بلکہ وہ ایک ایسا مرکب ہے جو ان تمام کے محاسن سے متصف اور قبائح سے منزّہ ہے (۱۳)۔اسلام کے غلبے سے مراد اسلام کے عالمگیر نظام سیاست کا غلبہ ہے جس کی اساس وحی وتنزیل پر ہے (۱۴)۔۔۔غلبہء اسلام اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر بغیر طاقت کے ممکن نہیں۔اشاعت حق کے لیے شمشیر کا استعمال ناگزیر ہے (۱۵)۔۔۔اس سلسلے میں امت مسلمہ کے نوجوانوں پر خاص ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں (۱۶)۔۔۔اسلامی نظام سیاست وحکومت کے اس تصور میں وطنی قومیت کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ اقبال کے الفاظ میں یہ نظریہ اس زمانے میں اسلام اور اسلامیوں کا سب سے بڑا دشمن ہے (۱۷)۔۔۔اور یہ فرنگی سیاست کا نظریہ ہے (۱۸)۔۔۔اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں (۱۹)۔۔۔نیشنلزم کا تجربہ یورپ میں ہوا، اس کا نتیجہ بے دینی اور لا مذہبی کے سوا کچھ نہ نکلا، (۲۰)۔۔۔مگر افسوس یہ ہے کہ مسلم علما بھی اسی لعنت میں گرفتار ہیں (۲۱)۔۔۔اس ضمن میں یہ بات بہت اہم ہے کہ اقبال کے تمام تر سیاسی افکار ونظریات کی بنیاد حق وصداقت کی جامع کتاب قرآن پاک ہے (۲۲)۔۔۔

جہاں تک اقتصادی ومعاشی مسائل کا تعلق ہے، اقبال کے نزدیک قرآن پاک کی اقتصادی تعلیم ہی

ہمارے معاشی مسائل کا حل ہے۔افسوس کہ مسلمان یورپ کی پولیٹیکل اکانومی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں (۲۳)۔۔۔اگر اسلامی قانون معیشت کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم معمولی معاش کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے (۲۴)۔اقبال کے نزدیک ہندوستان میں تہذیب اسلامی کا مستقبل معاشی مسائل سے زیادہ اہم ہے (۲۵)۔

اسلام کے نظام معاشرت میں، اقبال عورت کو خاص اہمیت دیتے تھے کیونکہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں (۲۶)۔۔۔یورپ نے عورت کو جس طرح گھر کی چاردیواری سے باہر نکال کر رُسوا کیا ،اقبال کے نزدیک انتہائی غلط تھا۔کیونکہ عورت پر قدرت نے اتنی ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ اُن سے پوری طرح سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اُسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے، ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش ہے (۲۷)۔۔۔اقبال مخلوط تعلیم کے خلاف تھے (۲۸)۔۔۔ان کے خیال میں مسلمان عورتوں کے لیے بہترین اسوہ فاطمۃ الزہرا ہیں۔مسلم خواتین کو ان کی تلقین یہ تھی کہ کامل عورت بننا ہو تو فاطمۃ الزہرا کی زندگی پر غور کرنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعی کرنی چاہیے۔صرف اسی طرح عورت اپنی انتہائی عظمت تک پہنچ سکتی ہے۔۔۔(۲۸،الف)

اقبال نے اسلام کا جو جامع تصور پیش کیا، ہندوستان (متحدہ) میں اس کی بقا اور حفاظت نیز مسلمانوں کے احترام واقتدار کا انحصار اسی بات پر منحصر ہے کہ ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہو جو شریعت اسلامیہ نافذ کر کے اسلام کی حفاظت کر سکے (۲۹)۔۔۔اگر موجودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو یہاں مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا اس صورت میں خدشہ ہے کہ کہیں ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح نہ ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک سے فنا نہ ہو جائے (۳۰)۔۔۔یہ خدشہ اقبال کو اس لیے ہے کہ مسلمانوں میں ابھی تک احساس زیاں پیدا نہیں ہوا (۳۱)۔۔۔مسلمانوں کے سارے ہی طبقے اس احساس سے عاری ہیں۔علما میں مداہنت آ گئی ہے۔صوفیہ اسلام سے بے پروا اور حکام کے تصرف میں ہیں۔اخبار نویس اور تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں (۳۲)۔۔۔وہ کہتے ہیں میر امدت العمر کا مطالعہ اور مشاہدہ مجھے یقین دلا چکا ہے کہ ہندوستان

کے تعلیم یافتہ مسلمان بالکل بیکار ہیں (۳۳)۔۔۔ دینوی جاہ و منصب کے لالچ میں مسلمان بزرگوں کی اولادیں جاہل ہو چکی ہیں (۳۴)۔۔۔۔ اجتماعی اداروں کو مسلمانوں نے اغراض کے حصول کا ذریعہ بنالیا ہے (۳۵)۔۔۔۔ اُن کے لیڈر خود غرض ہیں اور ایثار نہیں کر سکتے (۳۶)۔۔۔۔ جہاں تک مغرب زدہ مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اقبال انھیں نہایت قریب سے دیکھنے کے بعد اس نتیجے تک پہنچے کہ یہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے (۳۷)۔۔۔ مسلمانوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب عجمیت ہے جس کا اثر مذہب، لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔ عربوں اور افغانوں کے سوا تمام اقوامِ اسلامیہ اس زہر سے خطرناک حد تک متاثر ہو چکی ہیں (۳۸)۔۔۔ ہندستان کے مسلمان کئی صدیوں سے عجمی اثرات کے زیر اثر ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی عجمی ہیں۔ اور سوشل نصب العین بھی عجمی ہیں (۳۹)۔۔۔ (اس "باطل" کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔) (۴۰)۔۔۔

اقبال کے نزدیک اس صورت حال کا اصلی سبب، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، یہ ہے کہ حقیقی معنوں میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم نہیں ہو سکی جو شریعت اسلامیہ کو پوری طرح نافذ کرتی۔ مسلم دورِ حکومت میں اول تو خاطر خواہ طریقے سے اسلام پھیلا ہی نہیں (۴۱)۔۔۔ اور جو لوگ مسلمان ہوئے بھی تو ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام مناسب طریقے سے نہیں کیا گیا (۴۲)۔۔۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اقبال کے نظام فکر میں ہمیں جو تدابیر ملتی ہیں انھیں فرد اور جماعت کے واسطوں سے متعدد دائروں میں اور مختلف سطحوں پر بیان کیا جا سکتا ہے مگر اصلاح احوال کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی مناسب تربیت کی جائے اور شریعت اسلامیہ کو بہ تمام و کمال نافذ کیا جائے۔

اقبال کے نظام فکر میں بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان ہونا اور اسلام پر ایمان کسی دلیل کا محتاج نہیں بلکہ اسکی تمام تر بنیاد سمع و طاعت پر ہے چنانچہ ایک بار کسی نے اقبال سے پوچھا کہ حج کی غرض و غایت کیا؟ فرمایا بس خدا کا حکم ہے (۴۳)۔۔۔

انفرادی سطح پر اقبال کا فرد سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور شخصی میلانات، رجحانات اور تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے اور اس پابندی کے نتائج سے بالکل بے پروا ہو جائے محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ (۴۴) فرد کے لیے ارکان اسلام کی پابندی ضروری ہے کیونکہ کسی قوم کی تشکیل و تعمیر کے لیے اسلام کے پانچ ارکان کا اجرا و انضباط ضروری ہے۔ (۴۵) اس پابندی سے روح کو وہ

تدریجی تربیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں تبتیل الی اللہ کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کا نام اسلامی تصوف ہے۔(۴۶) پھر فرائض سے آگے بڑھ کر نوافل، شب بیداری اور خاص طور پر تہجد کے اہتمام سے عبادت الٰہی کی حقیقی لذت نصیب ہوتی ہے۔(۴۷) انسان صحیح معنوں میں مسلم اس وقت ہوتا ہے جب قرآن کے اوامر و نواہی اس کی اپنی ''خواہش'' بن جائیں۔(۴۸) انسان کا رزق خدا کے ہاتھ میں ہے۔(۴۹)۔۔۔ خدا پر بھروسا رکھنا چاہیے کیونکہ سارے معاملات خدا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔(۵۰) اس سے طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے(۵۱)۔۔۔ سچے مسلمان کو ہر حال میں اپنے وعدے کا پاس کرنا چاہیے۔(۵۲) اقبال کے نزدیک ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سچی بات ظاہر کرنے میں اخفا سے کام نہ لے اور اسے گناہ عظیم جانے(۵۳)۔۔۔ کلمہ حق سے باز نہ رہے(۵۴) بلکہ اگر ضرورت پڑے تو اُسے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔ کیونکہ اقبال کے الفاظ مین مسلمان ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرتا ہے اُسے پاش پاش کر دیتا ہے اور جو اُس پر گرتا ہے پاش پاش ہو جاتا ہے(۵۵)۔۔۔ اُن کے خیال میں ضرورت سے زیادہ رُوپے کی ہوس ایک مسلمان کے شایان شاں نہیں ہے۔(۵۶) اگر اس کے پاس روپیہ بھی ہو تو فضول مصارف کو ترک کر دے(۵۷)۔۔۔ سادہ اور درویشانہ زندگی کو اپنا شعار بنا لے۔ مکانوں کی آرائش اور معاشرتی زندگی میں فیشن کو راہ دینا بے معنی تکلفات کے مترادف ہے۔ ان میں نہیں اُلجھنا چاہیے۔(۵۸) خود اقبال نے اپنے مکان کو مغربی فیشن سے آراستہ نہیں کیا(۵۹)۔۔۔ مسلمان کی درویشی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بڑے لوگوں کی پروا نہ کرے۔ حکام سے سفارشیں کرنا بہت ہی ذلت انگیز کام ہے(۶۰)۔۔۔ بحث و مباحثے سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر اوقات بحثیں نتیجہ خیز نہیں ہوتیں(۶۱)۔۔۔ کافر گری، فتوے بازی اور رکعات واذکار پر لڑنا بے کار ہے(۶۲)۔۔۔ کیونکہ بحث و تکرار نکمے پن کی دلیل ہے(۶۳)۔۔۔ غرض اقبال کے نزدیک اخلاقی اقدار انسانی زندگی میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ خصوصاً ایسی قوم جو حکمران ہو اُسے اپنی سیرت کے اندر ایک خاص قسم کا تدبر، عدل اور اخلاقی اوصاف پیدا کرنے چاہییں کیونکہ مروت، علو ہمت، فراخدلی، مردم شناسی اور عطا و بخشش کی اعلیٰ خصوصیات کے بغیر ایک شخص صحیح حکمران بن ہی نہیں سکتا(۶۴)۔ پھر کسی حکومت کا سب سے بڑا فرض افراد کے اخلاق کی حفاظت ہے۔ اُنھیں جدید دنیا کی حکمران جماعتوں سے شکوہ ہے کہ وہ اس اہم ترین فرض کو تسلیم ہی نہیں کرتیں اور محض لوگوں کے سیاسی خیالات اور رجحانات سے تعلق رکھتی ہیں(۶۵)۔۔۔ اقبال کے نزدیک اخلاقیات کی اہمیت یہ ہے کہ اگر کسی قوم کے نوجوان اپنا اخلاق درست کر

لیں توان کا مستقبل شاندار ہو سکتا ہے (۶۶)۔۔۔

اخلاقی اقدار کی سر بلندی اور اخلاقیات کے مقاصد کے حصول کے لیے اقبال کے نظام فکر میں مطالعہ قرآن، تدبر و تفکر اور دینی علوم کی تحصیل (۶۷) بہت ضروری ہے۔ایک مرتبہ کسی نے اقبال سے پوچھا کہ آپ نے مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور فلسفہ وغیرہ کے علوم پر جو کتابیں اب تک پڑھی ہیں، ان میں سب سے بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب آپ کی نظر سے کون سی گزری ہے ؟ فرمایا، قرآن کریم (۶۷، الف)۔۔۔اقبال نے برس ہا برس قرآن پاک کو بغور پڑھا، بعض آیات اور سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا (۶۸)۔۔۔قرآن پر ان کا اعتقاد اس قدر پختہ اور نظر ایسی گہری تھی کہ وہ ہمیشہ ہر معاملے میں قرآن سے استشہاد کیا کرتے تھے (۶۹)۔۔۔وہ مقدمۃ القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے (۷۰)۔۔۔ ان کے نزدیک تفسیر قرآن ایک نازک کام ہے اور قرآن پاک اس اعتبار سے ایک مظلوم صحیفہ ہے کہ جسے دنیا میں اور کوئی کام نہیں ملتا وہ اس کے ترجمہ و تفسیر میں مصروف ہو جاتا ہے (۷۱)۔۔۔اقبال سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے۔وہ اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتے ہیں جس گھر سے علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے۔ان کی تاکید ہے کہ کلام مجید کا صرف مطالعہ ہی نہ کیا کرو بلکہ اسے سمجھنے کی کوشش بھی کرو (۷۲)۔۔۔نوجوانوں کو ان کا مشورہ ہے کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھیں (۷۳)۔۔۔ اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ وہ تلاوت اور نماز کو اپنا شعار بنا لیں (۷۴)۔۔۔

علمی سطح پر اقبال کے نظام فکر میں اہم ترین پہلو یہ ہے کہ مسلمان جدید علوم وفنون پر اس طرح توجہ دیں کہ دور حاضر کے جدید مسائل کو اسلام کی روشنی میں بہ احسن طریق حل کیا جا سکے۔اس سلسلے میں ان کے پیش نظر کئی اہم کام تھے۔ان میں سب سے اہم مقدمۃ القرآن (Intoduction to the Study of Quran) تھا جسے لکھ کر وہ ''اسلام کے بارے میں یورپ کے تمام نظریات توڑ پھوڑ کر رکھ دینے'' کا عزم رکھتے تھے (۷۵)۔۔۔اگر یہ کام پایہء تکمیل کو پہنچ سکتا تو ان کے نزدیک مسلمانانِ عالم کے لیے ان کی طرف سے بہترین پیش کش (۷۶)۔۔۔اور حضورؐ کے دین کی ایک اہم خدمت ہوتی (۷۷)۔۔۔وقت کی دوسری اہم ترین ضرورت اسلامی فقہ کی مفصل تاریخ لکھنا تھا (۷۸)۔۔۔ان کے نزدیک قرآنی نقطہء نگاہ سے زمانہء حال کے ''جورس پروڈنس'' پر تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت ثابت کرنے والا اسلام کا مجدد اور بنی

نوعِ انسان کا سب سے بڑا خادم ہوگا (۷۹)۔۔۔مگر یہ کام ناقدانہ انداز میں ہونا چاہیے، غلامانہ انداز میں نہیں (۸۰)۔۔۔وہ خود بھی یہ کام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے (۸۱)۔۔۔فقہ کے علاوہ اسلامی تصوف کی تاریخ لکھنے پر بھی انھوں نے زور دیا (۸۲)۔۔۔اقبال نے ایک بار خود اس کام کا آغاز کیا مگر ضروری مواد نہ مل سکا اور وہ ایک دو باب لکھ کر رہ گئے (۸۳۔۔۔اسی طرح وہ اسلام کے ثقافتی اور فلسفیانہ پہلو پر کام کرنے کی ضرورت بھی سمجھتے تھے (۸۴)۔۔۔غرض اس طرح کے تحقیقی اور علمی کام اقبال کے پیشِ نظر تھے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان بھر میں ان کی نگاہوں کا مرکز پنجاب تھا۔ انھوں نے مولانا شبلی مرحوم کے متعلق کوشش کی کہ وہ کسی طرح پنجاب منتقل ہو جائیں۔ اسی طرح مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کو بھی اعظم گڑھ سے لاہور منتقل ہونے کی دعوت دی (۸۶)۔ مولانا انور شاہ کاشمیری جب دیوبند سے مستعفی ہوئے تو اقبال نے انھیں بھی لاہور بلایا (۸۶، الف)۔ پھر مولوی عبدالحق مرحوم کو مشورہ دیا کہ وہ انجمن ترقی اُردو کا مستقل مستقر پنجاب کو ہی بنائیں کیونکہ اقبال کے خیال میں مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جو لڑائیاں آئندہ لڑنا پڑیں گی ان کا میدان پنجاب ہوگا۔ اُن کے الفاظ میں پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں گی...... کیونکہ اسلامی زمانے میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی مگر اس کا کیا علاج کہ آئندہ رزم گاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے۔ (۸۷) پھر اقبال کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودوری کی احیاے اسلامی کی خواہش کا پتا چلا تو انھیں بھی پنجاب منتقل ہونے کا مشورہ دیا (۸۸)۔ غرض اقبال کے نزدیک تمدنِ اسلامی کے احیا کے لیے پنجاب ہی موزوں سرزمین تھی، (۸۹) کیونکہ ان کے خیال میں دینِ حق کا نور اس مرکز سے ہندستان کے تمام اطراف و اکناف میں پھیلے گا۔ (۹۰)

چنانچہ پنجاب میں ایک علمی اور اسلامی تحقیقی ادارے کا قیام اقبال کی تمناؤں کا نہایت اہم نکتہ ہے۔ ان کے خیال میں (متحدہ) ہندوستان میں احیاے اسلام کے لیے یہ ادارہ بنیادیں فراہم کر سکتا تھا۔ پٹھانکوٹ میں چودھری نیاز علی صاحب نے دارالاسلام کے نام سے جو ادارہ قائم کیا تھا، وہ اقبال کی خواہش کے عین مطابق تھا اور انھیں اس کے ذریعے حفاظتِ اسلام کا مقصد پورا ہونے کی اُمید تھی (۹۱)۔ اسی لیے انہوں نے جامعۃ الازہر مصر سے کسی روشن خیال مصری عالم کو طلب کیا جو اس اسلامی علمی مرکز میں رہ کر فکرِ اسلامی کی تجدید کے کام میں مقامی علما کی مدد کرے (۹۲)۔ اس ادارے کے محققین جدید طرزِ استدلال اور تحقیق کے مطابق علمی کام کریں (۹۳)۔ مگر اقبال کے نزدیک اسلامی ریسرچ کے لیے یورپ اور اہلِ یورپ سے رجوع

کرنا بالکل بے سود تھا(۹۴)۔ اس ادارے کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ علما وفقہا کو تعلیم و تربیت دی جائے (۹۵)اور ایسے علما پیدا ہوں جو اسلام کے قانونی لٹریچر میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کے لیے موزوں ہوں۔(۹۶)

اقبال کے ذہن میں بعض دوسری اسکیمیں بھی تھیں، مثلاً وہ مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا نیشنل ڈیفنس فنڈ قائم کرنا چاہتے تھے جو ایک ٹرسٹ کی شکل میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدّن اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کیے جائیں جو زمانہء حال میں اقوام کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں(۹۷)۔ایک اور اسکیم یہ تھی کہ مسلمانوں کو مختلف مقامات پر دینی و سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے، قومی عساکر بنائے جائیں اور ان تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے ان کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔(۹۸)

غرض ان کے نظامِ فکر کے مختلف اجزا پر نظر ڈالی جائے تو بالکل واضح ہیں۔ایک یہ کہ اقبال کی زندگی کا مطمحِ نظر بقول ان کے ہمیشہ یہی رہا ہے کہ مسلمان اپنی موجودہ پستی کی حالت سے نکل کر بلندی پر پہنچ جائیں اور ان میں جو کمزوریاں اور اختلافات رونما ہو گئے ہیں، وہ دور ہو جائیں (۹۹)۔دوسرے یہ کہ اقبال احیائے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے بارے میں پوری طرح پُر اُمید تھے۔اُن کے الفاظ میں اسلام کے ایک عالم گیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے...... غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔(۱۰۰)اقبال کا ایمان تھا کہ انجام کار اسلام کی قوتیں فائز اور کامیاب ہوں گی (۱۰۱)۔مگر کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہوں کیونکہ زندہ رہنے کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ضروری ہے ورنہ انھیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔(۱۰۲)

اپنے سارے ایمان وایقان کے باوجود، اپنے نظامِ فکر کو عملی شکل دینے کے لیے اقبال کے ذہن میں اگرچہ مختلف اور متفرق اسکیمیں تھیں مگر اندازہ ہے کہ کوئی جامع اور مفصل منصوبہ ان کے ذہن میں مرتب نہیں ہو سکا اور پھر جو مختلف اسکیمیں اور نقشے ان کے ذہن میں تھے انھیں بھی وہ کوئی حتمی شکل نہ دے سکے جس کا سب سے بڑا سبب غالباً یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کی شخصیت صرف علمی، فکری اور فلسفیانہ تھی، عملی شخصیت نہ تھی۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کے مستقبل کے لیے خاصے مضطرب اور فکر مند تھے اور چاہتے تھے کہ احیائے اسلام کی کوئی صورت پیدا ہو۔اس اضطرب اور فکر مندی کا اظہار انھوں نے بار بار اکبر الٰہ آبادی کے نام

اپنے خطوں میں کیا ہے (۱۰۳)۔ اس اضطراب اور بے چینی نے اقبال کو مرتے دم تک بے چین رکھا۔ اس کے آخری زمانے کی یہ رُباعی بہت مشہور ہے:

سرود رفتہ باز آید کہ ناید　　نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟

سرآمد روزگار ایں فقیرے　　دگر دانائے راز آید کہ ناید

بسترِ مرگ پر اقبال اسے بار بار دُہراتے۔ وہ اپنے اس اضطراب کو امتِ مسلمہ کے لیے ایک سوال کی شکل میں چھوڑ گئے ہیں۔

حوالے

۱۔ روزگارِ فقیر۔ جلد دوم۔ مرتبہ: فقیر سید وحید الدین، لاہور۔ ۱۹۶۴ء۔ ص ۱۳۔

۲۔ اقبال نامہ (جلد دوم) مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، لاہور 1951ء۔ ص ۳۱۴۔

۳۔ گفتارِ اقبال، مرتبہ: محمد رفیق افضل، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۷

۴۔ ایضاً، ص ۲۳۵

۵۔ اقبال نامہ، جلد دوم ص ۱۶

۶۔ انوارِ اقبال، مرتبہ بشیر احمد ڈار کراچی، ۱۹۶۷ء ، ص ۱۹۲

۷۔ اقبال نامہ، جلد دوم ص ۶۲

۸۔ حرفِ اقبال، مرتبہ لطیف احمد شیروانی، لاہور، ۱۹۴۷ء ، ص ۶۰

۹۔ حرفِ اقبال، ص ۲۰

۱۰۔ حرفِ اقبال، ص ۲۵۲

۱۱۔ اقبال نامہ (دوم) ص ۳۹۳

۱۲۔ گفتارِ اقبال، ص ۲۵۴

۱۳۔ ملفوظاتِ اقبال، مرتبہ: محمود نظامی لاہور ص ۱۷۲

۱۴۔ حرفِ اقبال، ص ۲۱

۱۵۔ ملفوظات اقبال،ص ۱۴۷

۱۶۔ ملفوظات اقبال،ص ۱۷۴

۱۷۔ انوار اقبال،ص ۱۷۶

۱۸۔ انوار اقبال،ص ۱۶۷

۱۹۔ حرف اقبال،ص ۲۴۹

۲۰۔ گفتار اقبال،ص ۱۱۷

۲۱۔ حرف اقبال،ص ۲۴۹

۲۲۔ گفتار اقبال،ص ۱۳۶

۲۳۔ گفتار اقبال،ص ۸

۲۴۔ مجموعہ مکاتیب (جلد دوم)، ص۱۶

۲۵۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۱۱

۲۶۔ گفتار اقبال،ص ۷۵

۲۷۔ روزگار فقیر (جلد اول) لاہور،۱۹۶۳ء، ص ۶۶۔

۲۸۔ روزگار فقیر (جلد اول)ص۱۶۵

(۲۸الف) گفتار اقبال،ص۸۳

۲۹۔ اقبال نامہ (جلد دوم)ص ۱۶و۳۸۶

۳۰۔ اقبال نامہ (جلد دوم)ص ۳۸۷

۳۱۔ اقبال نامہ (جلد دوم)ص ۳۸۷

۳۲۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص۲۵۰

۳۳۔ ملفوظات اقبال،ص۱۴۱

۳۴۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص۲۳۱

۳۵۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۱۳۷

۳۶۔ ملفوظات اقبال۔ص ۳۱

۳۷۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۱۶۹

۳۸۔ انوار اقبال، ص ۱۹۲

۳۹۔ اقبال (جلد اول) ص ۲۴

۴۰۔ انوار اقبال، ص ۱۹۲

۴۱۔ روزگار فقیر (جلد دوم) ص ۲۰۲

۴۲۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۷۹ و روزگار فقیر (جلد دوم) ص ۲۰۲

۴۳۔ روزگار فقیر (جلد اول) ص ۷۱

۴۴۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۶۰

۴۵۔ ملفوظات اقبال، ص ۳۹

۴۶۔ انوار اقبال، ص ۲۷۹

۴۷۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۱۹۳

۴۸۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی، مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی، لاہور ۱۹۶۹ء ص ۹۳

۴۹۔ روزگار فقیر (جلد دوم) ص ۱۸۴

۵۰۔ مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۳۷

۵۱۔ مکاتیب بنام گرامی، ص ۹۳

۵۲۔ روزگار فقیر (جلد اول) ص ۸۰

۵۳۔ مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۴۳

۵۴۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۲۳۳

۵۵۔ روزگار فقیر (جلد اول) ص ۸۳

۵۶۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۳۷۴

۵۷۔ گفتار اقبال، ص ۴۹

۵۸۔ ملفوظات اقبال، ص ۶۷

۵۹۔ ملفوظات اقبال، ص ۶۷

۶۰۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۳۰۹

۶۱۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۱۹۱

۶۲۔ ملفوظات اقبال، ص ۵۲

۶۳۔ ملفوظات اقبال، ص ۵۳

۶۴۔ روزگار فقیر (جلد اول) ص ۱۰۶

۶۵۔ ملفوظات اقبال۔ص ۱۴۵

۶۶۔ ملفوظات اقبال، ص ۱۷۰

۶۷۔ روزگار فقیر (جلد دوم) ص ۱۸۸

۶۷الف)۔ روزگار فقیر (جلد اول) ص ۹۳

۶۸۔ مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۲۵

۶۹۔ حرف اقبال، ص ۲۵۶

۷۰۔ انوار اقبال، ص ۲۰۶

۷۱۔ روزگار فقیر (جلد اول) ص ۸۱

۷۲۔ گفتار اقبال، ص ۲۱۳

۷۳۔ گفتار اقبال، ص ۱۳۶

۷۴۔ گفتار اقبال، ص ۲۱۴

۷۵۔ ملفوظات اقبال، ص ۲۲۶

۷۶۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۳۵۸

۷۷۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۳۲۳

۷۸۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۱۴۲

۷۹۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۵۰

۸۰۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۱۴۷

۸۱۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۳۲۰

۸۲۔ انوار اقبال، ص ۱۸۱

۸۳۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۵۴

۸۴۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۸۴

۸۶۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۷۵۔

(۸۶ الف) بیس (۲۰) بڑے مسلمان، لاہور ۱۹۷۱ء۔ ص ۳۷۷

۸۷۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۷۹

۸۸۔ ماہنامہ سیارہ، اقبال نمبر ۱۹۶۳ء۔ ص ۳۵

۸۹ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۲۵۲

۹۰۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۲۵۳

۹۱۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۲۴۹

۹۲۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۲۵۲

۹۳۔ انوار اقبال، ص ۱۸۸

۹۴۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۳۹۸

۹۵۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۲۱۳

۹۶۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص ۲۱۵

۹۷۔ ؍؍ ایضاً ص ۳۸۴

۹۸۔ ؍؍ ایضاً ص ۳۸۷

۹۹۔ گفتار اقبال، ص ۱۶۶

۱۰۰۔ گفتار اقبال، ص ۱۷۸

۱۰۱۔ ؍؍ ایضاً ص ۱۹

۱۰۲۔ ؍؍ ایضاً ص ۱۱۸

۱۰۳۔ اقبال نامہ (جلد دوم) ص ۳۴ تا ۷۷